پروفیسر مرزا مقبول بیگ بدخشانی

ایران کے مؤرخینِ قدیم

قدیم مؤرخین جنھوں نے فارسی زبان میں بہت جامع تاریخیں لکھیں ان کا تعلق منگول دور سے تعلق رکھنے والی صدی ہے۔ اس دور کے عظیم مؤرخین میں سرفہرست علاءالدین عطا ملک جوینی ہیں جنھوں نے تاریخ جہانگشا" کے نام سے ۶۵۸ھ/ ۱۲۶۰ء میں ایک جامع تاریخ لکھی۔ یہ ہلاکو خاں کے عہدِ حکومت میں بغداد کے گورنر تھے۔ ان کے بعد رشیدالدین فضل اللہ نے "جامع التواریخ" ۷۱۰ھ/ ۱۳۱۰ء میں تصنیف کی جو ایلخانی دور میں غازان خان اور اولجایتو خدابندہ کے عہد میں وزارتِ عظمیٰ کے منصب پر فائز تھے۔ اس عہد کے ایک اور مورخ ناصرالدین ابوسعید بیضاوی ہیں جنھوں نے "نظام التواریخ" ۷۱۷ھ/ ۱۳۱۷ء میں تصنیف کی۔ اس دور میں ایک تاریخ عبداللہ بن فضل اللہ شیرازی نے "تجزیۃ الامصار و تزجیۃ الآثار" کے نام سے لکھی، جسے بعد میں خود مصنف نے "تاریخ وصاف" کا نام دیا۔ یہ تاریخ ۷۲۸ھ/ ۱۳۲۸ء کی تصنیف ہے۔ دو ہی برس بعد حمداللہ مستوفی نے "تاریخ گزیدہ" ۷۳۰ھ/ ۱۳۳۰ء میں تالیف کی۔ انھوں نے "ظفرنامہ" کے نام سے ۷۳۵ھ/ ۱۳۳۵ء میں منظوم تاریخ بھی تصنیف کی۔ اس دور کے آخری مورخ محمد بن علی بن محمد شبانکارہ ای ہیں جنھوں نے ۷۴۳ھ/ ۱۳۴۳ء میں "مجمع الانساب" کے نام سے تاریخ لکھی۔ اب ساتویں صدی ہجری کے وسط سے آٹھویں صدی ہجری کے وسط تک کے مذکورہ مؤرخین اور ان کی تاریخی تصانیف کا مختصر تعارف درج ذیل ہے۔

١۔ عطا ملک جوینی

مصنف تاریخ جہانگشا عطا ملک جوینی ایران کے صوبہ خراسان کے شہر جوین میں پیدا ہوئے۔ ان کے پردادا شمس الدین محمد، سلطان محمد خوارزم شاہ کے دربار سے مستوفی الممالک کی حیثیت سے وابستہ تھے۔ ان کے والد بہاءالدین محمد کو منگولوں نے خراسان اور مازندران کا گورنر مقرر کیا جنھیں "صاحب دیوان" کہا جاتا تھا۔ ان

کے بھائی شمس الدین ہلاکو خاں کے زمانے میں ۶۶۱ھ/ ۱۲۶۲ء میں ترقی پاکر وزارتِ عظمیٰ کے عہدے پر فائز ہوئے، لیکن اس منصب پر بھی انھوں نے "صاحبِ دیوان" ہی کے لقب سے شہرت پائی۔

عطاملک علم و فضل میں شہرت کی بدولت منگول امیر ارغون کی گورنری کے زمانے میں اس کے دبیرِ خاص مقرر ہوئے۔ اس منصب پر وہ تیرہ برس کام کرتے رہے۔ (۶۴۱ تا ۶۵۴ھ/ ۱۲۴۳ تا ۱۲۵۶ء) یعنی ہلاکو خاں کے ورودِ ایران تک۔ تاریخ جہانگشا میں لکھتے ہیں کہ امیر ارغون کو پانچ چھ مرتبہ منگول دارالحکومت قراقرم جانے کا اتفاق ہوا، سفر کے دوران وہ بھی رفیقِ راہ ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ انھیں ایک سال چند ماہ قراقرم میں ٹھہرنا پڑا۔ اس قیام کے دوران ان کے ایک دوست نے انھیں اس بات کا احساس دلایا کہ وہ منگولوں کے کارناموں اور ان کی فتوحات ضبطِ تحریر میں لاکر انھیں جاودانی حیثیت دیں۔ وہ آمادہ ہوگئے اور منگولوں کی تاریخ ۶۵۰ھ/ ۱۲۵۲ء میں لکھنی شروع کی جو ۶۵۸ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

ہلاکو خاں کو جب منگول حکمران منگوقاآن (۶۴۹ تا ۶۵۸ھ/ ۱۲۵۱ تا ۱۲۵۹ء) نے ایران بھیجا تو دو مقاصد اس کے پیشِ نظر تھے۔ (۱) فرقۂ اسمٰعیلیہ کی شکست و ریخت جن کی تحریک ایران اور بیرونِ ایران بڑے استحکام کے ساتھ پھیل رہی تھی۔ (۲) خلافت عباسیہ کا خاتمہ جس کے متعلق خیال تھا کہ کسی وقت بھی اس سے منگول حکومت کے لیے خطرات پیدا ہوسکتے ہیں۔ ہلاکو خاں جب ایران آیا تو اس نے عطاملک کی اہم خدمات کی بنا پر انھیں اپنا دبیرِ خاص (پرائیویٹ سیکرٹری) مقرر کیا۔ ہلاکو خاں نے جب اسمٰعیلیوں اور عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کے خلاف مہم شروع کی تو عطاملک اس کے ساتھ تھے۔ ہلاکو خاں کے حملے میں اسمٰعیلیوں کو جب اپنے اہم مرکز الموت سے دست بردار ہونا پڑا اور آخری شیخ الجبال رکن الدین خورشاہ راہیِ ملکِ بقا ہوا تو ہلاکو خاں نے ان کے آثار صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہے۔ اس پر عمل بھی ہوا، لیکن قلعہ الموت میں ایک عظیم کتاب خانہ تھا جو حسن بن صباح نے قائم کیا تھا۔ عطاملک یہ نہیں چاہتے تھے کہ سارا کتاب خانہ تباہ ہو، چنانچہ انھوں نے انتہائی کوشش سے دیکھ بھال کر کے وہ حصہ بچالیا جو اہل علم کے لیے مفید اور اسمٰعیلی عقاید سے پاک تھا۔

ہلاکو خاں نے ۶۵۵ھ/ ۱۲۵۷ء میں جب بغداد کو فتح کرنے کے ارادے سے لشکرکشی کی تو عطاملک بھی ساتھ تھے۔ فتحِ بغداد کے بعد ہلاکو خاں نے ۶۵۷ھ/ ۱۲۵۹ء میں عطاملک کو اس شہر کا گورنر بنادیا جسے پانچ صدیاں

سے خلافتِ اسلامیہ کے ام البلاد ہونے کی حیثیت حاصل تھی۔

ہلاکو خاں نے ایران میں جو حکومت قائم کی وہ مرکز سے وابستہ تھی لیکن امورِ حکومت میں وہ خود مختار تھی۔ خود مختار ہونے کی وجہ سے ہی ہلاکو کو ایلخان اور اس کی حکومت کو ایلخانی حکومت کہا گیا۔ ہلاکو خاں کا انتقال ۶۶۳ھ / ۱۲۶۵ء میں ہوا تو اس کا بیٹا اباقاخاں اس کا جانشین ہوا۔ اس کے عہدِ حکومت میں بھی عطاملک بغداد کا گورنر اور اس کا بھائی شمس الدین صاحب دیوان بدستور وزارتِ عظمیٰ کے عہدے پر فائز رہے۔

عطاملک بہت مدبر اور ملکی امور کے ماہر تھے۔ انھوں نے مملکت کی تعمیر و ترقی اور عوام کی فلاح و بہبود کے لیے بہت کوشش کی، بڑھتے ہوئے محصولوں اور لگانوں میں کمی کی جس سے خاص طور پر زراعت پیشہ لوگوں کو امن و سکون میسر آیا۔ انھوں نے زراعت ہی کے لیے دریائے فرات سے انبار کے مقام سے کوفہ اور نجف تک نہر کھدوادی۔ اس ایک کام پر ہی ایک لاکھ طلائی دینار خرچ ہوئے تھے۔

عطاملک نے بحیثیت گورنرِ بغداد چوبیس سال تک کام کیا، چھ برس ہلاکو خاں کے زمانے میں (۶۵۷ تا ۶۶۳ھ)، سترہ برس (۶۶۳ تا ۶۸۰ھ) اباقاخاں کے دور میں اور تقریباً ایک برس احمد تغودار کے عہد میں۔

اس عرصے میں بعض مفاد پرست لوگوں مثلاً تاج الدین علی مصنف "الفوزی" اور مجد الملک وزیر مالیات نے عطاملک کو اس کے منصب سے الگ کرانے کی مہم شروع کی۔ اس کی تفصیل عطاملک نے اپنے رسالہ "تسلیت الاخوان" میں دی ہے۔ اس کا مختصر سا ذکر درج ذیل ہے۔

گورنر عطاملک نے سرکاری اراضی کے محصولات سے کثیر دولت سمیٹ لی ہے۔ یہ الزام تاج الدین نے بصورت تحریر اباقاخاں کی خدمت میں پیش کیا اور انھیں منصب سے ہٹا دینے کی تجویز پیش کرنے کی جسارت بھی کی۔ یہ الزام تحقیق کے بعد غلط ثابت ہوا، چنانچہ وہ مشہور اہلِ قلم اپنے انجام کو پہنچا۔ ایک یہ الزام تھا کہ بارہ برس قبل یعنی ۶۶۹ھ / ۱۲۷۰ء میں ایک کمیشن بغداد بھیجا گیا تھا کہ ان پچیس لاکھ دینار کی تحقیقات کرے جو خزانے کی رقم عطاملک کے ذمے ہے۔ اس الزام کے متعلق عطاملک نے "تسلیت الاخوان" میں لکھا ہے کہ وہ مطلقاً اس کے ذمے دار نہ تھے۔ اسی زمانے میں سارے واقعہ کی تحقیق اباقاخان کے روبرو ہوئی تھی اور الزام بے بنیاد ثابت ہوا تھا، جس اباقاخان نے انھیں شاہی اعزاز سے نوازا تھا۔ ایک یہ الزام بھی تھا کہ مصنف کے خاندان کے روابط سلطان مصر کے ساتھ ہیں اور وہ کوشش کر رہے تھے کہ

منگولوں پر حملہ کر کے بغداد پر قبضہ کر لیں۔

کچھ عرصے بعد اباقا خاں کو بعض مخالف امرا اور مصاحبانِ خاص نے پُرزور انداز میں قائل کرنے کی کوشش کی کہ عطا ملک نے غبن، رشوت اور سرکاری املاک سے کثیر دولت حاصل کر رکھی ہے، اس لیے مناسب ہوگا کہ اسے معطل کر کے آزادانہ تحقیق کی جائے۔ اباقا خان بالآخر اس بات پر آمادہ ہو گیا اور انھیں ۶۸۰ھ/۱۲۸۱ء میں گورنری کے منصب سے معطل کر دیا گیا۔ یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ جن کوچوں میں سے وہ تاج پہن کر گزرا کرتے تھے، وہاں سے انھیں پاسبانوں کی نگرانی میں گزرنا پڑا۔

مصنف نے رسالہ تسلیت الاخوان میں لکھا ہے کہ یہ سب الزامات ایک طرح کا بہانہ تھے کہ مجھ سے وہ دولت حاصل کر لیں جن سے ان کے خیال کے مطابق میں نے حوض کے حوض بھر رکھے تھے۔ میں نے ہر وہ چیز جو میرے گھر میں تھی، سونے چاندی کے برتن، قیمتی جواہرات یہاں تک کہ تانبے کے برتن، نوکر چاکر، مال مویشی، مختصراً یہ کہ ہر وہ چیز جو مجھے ورثے میں ملی تھی، یا میں نے کسب حلال سے حاصل کی، پیش کر دی۔ ان سب چیزوں کی مالیت اس رقم کا ایک تہائی بھی نہ تھی، جس کا مجھ پر الزام تھا۔ اس پر اباقاخان نے حکم دیا کہ تغاچار اور مجد الملک بعض اور حکام کو ساتھ لے کر بغداد جائیں اور اس خزانے کا کھوج لگائیں جس کے متعلق دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس نے زمین میں دبا رکھا ہے۔ یہ لوگ ان کے گھر اور گھر کے باہر کھوج لگاتے رہے، آخر عطا ملک کے اقربا کی قبریں تک کھدوا دی گئیں جو خود ان کے تعمیر کردہ بیت العلوم کے احاطے میں مدفون تھے، لیکن کہیں سے مفروضہ دفینے کا سراغ نہ ملا۔ الزامات بے بنیاد ثابت ہوئے۔ بادشاہِ وقت پر ان کی بے گناہی ثابت ہو گئی، لیکن پیشتر اس کے کہ وہ خود رہائی کا حکم دیتا وہ عین عالمِ جوانی میں رحلت کر گیا۔ اباقا خاں کے بھائی احمد تغودار کے جانشین ہونے کا اعلان ہوا تو ساتھ ہی وہ بھی رہا ہوئے اور سابقہ منصب پر بحال کر دیے گئے۔

احمد تغودار کو ان کے مال و دولت کی لوٹ کھسوٹ کی اطلاع ہوئی، جو مجد الملک اور اس کے ساتھیوں نے کی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے ان کا مال و اسباب سرکاری تحویل میں نہیں دیا تھا، بلکہ اپنے پاس ہی رکھ لیا تھا تو انھیں کیفرِ کردار کو پہنچا دیا گیا۔ عطا ملک کے منصب کی بحالی اور شاہی اعزازات کے باوجود ان کی دلی جراحت کا مداوا نہ ہو سکا۔ اس غم میں وہ چند ہی ماہ بعد ۶۸۱ھ/۱۲۸۳ء میں راہیِ

ملک بقا ہوئے۔

"تاریخ جہانگشا" عطا ملک جوینی کا عظیم تاریخی کارنامہ ہے جو منگولوں کے تاریخی اور معاشرتی حالات، خوارزم شاہاں کی سرگزشت، اسمٰعیلیوں کے مراکز کی تباہی اور خلافتِ عباسیہ کے اختتام کے حالات پر مشتمل ہے۔

تاریخ جہانگشا تین جلدوں میں ہے۔ پہلی جلد کے شروع میں طویل دیباچہ ہے، جس میں مصنف نے تصنیف کتاب کے وجوہ بتائے ہیں اور موضوع کتاب سے ذاتی دلچسپی کا اظہار کیا ہے، نیز خانوادہ مغول کا تعارف بھی کرایا ہے۔ دیباچے کے بعد مغول قدیم کے رسم و رواج، عادات و اطوار اور ان کے آداب معاشرت کی وضاحت کی ہے، جنھیں چنگیز خاں کے تدوین کردہ اصول و آئین یا "یاسائے چنگیزی" کا نام دیا گیا تھا۔

دوسرے باب میں قبائل اویغور کی عادات و رسوم اور چنگیز خاں کے ہاتھوں ان کی پیہم شکستوں کا مفصل ذکر آیا ہے۔ تیسرے باب میں ان فتوحات کا ذکر ہے جو چنگیز خاں کو ماوراءالنہر، ایران اور بعض دوسرے علاقوں میں ہوئیں۔ اس کی پیہم یلغاروں سے ہونے والی بربادیوں اور خوں ریزیوں کا بھی مفصل حال بیان کیا ہے۔ خوارزم شاہیوں کی حکمرانی کے خاتمے اور چنگیز خاں کی وفات ۶۲۵ھ / ۱۲۲۷ء تک رونما ہونے والے مزید واقعات بیان ہوئے ہیں۔ اس باب میں چنگیز خاں کے بیٹے اوکتائی قاآن (۶۲۶ھ تا ۶۳۹ھ / ۱۲۲۹ء تا ۱۲۴۲ء) کے عہد کی مفصل روئداد بیان کی ہے۔ اس کے بعد اوکتائی قاآن کے بیٹے کیوک کی عدم موجودگی میں اس کی والدہ ترا کینہ خاتون کی چار سالہ نیابت (۶۳۹–۶۴۳ھ / ۱۲۴۲–۱۲۴۵ء) کے حالات بیان کیے ہیں۔ اس جلد کے آخر کا مختصر باب چنگیز خاں کے تین بیٹوں تولوئی، جوجی اور چغتائی کے متعلق ہے۔

دوسری جلد کا آغاز دیباچے کے بغیر ہوا ہے۔ اس میں تاریخ خوارزم مفصل طور پر سے بیان کی گئی ہے۔ قراختائی اور گورخانی حکمرانوں کا مفصل ذکر آیا ہے، جنھوں نے ماوراءالنہر اور مشرقی ترکستان میں (۵۱۲ تا ۶۰۷ھ / ۱۱۱۸ تا ۱۲۱۰ء) حکومت کی۔ ان کے علاوہ افراسیابی، ایلک خانی اور آل خاقان ایسے مسلمان حکمرانوں کے حالات بھی تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ اس جلد کے آخری حصے میں اوکتائی قاآن سے ہلاکو خاں کے ورودِ ایران کے زمانے تک گورنروں اور منصفوں کے حالات بیان کیے ہیں۔

تیسری جلد کے آغاز میں منگو قاآن کی رسم تاجپوشی کی تفصیلات بیان کی ہیں اور ۶۴۹ھ / ۱۲۵۱-۵۲ء

کے بعد وقوع پذیر ہونے والی تقریبات کا مفصل ذکر آیا ہے۔ اس عہد کے ابتدائی واقعات بھی بیان
اس کے بعد ہلاکو خاں کے ورود ایران کے مفصل واقعات لکھے ہیں۔ اسمٰعیلیوں کے قلع قمع کرنے
شیخ الجبال رکن الدین خورم شاہ کی وفات (۶۵۵ھ/ ۱۲۵۷ء) کا تفصیل سے ذکر آیا ہے اور ۶۵۶
پر حملہ کرنے اور خلافتِ عباسیہ کے خاتمے کے واقعات تفصیل سے لکھے ہیں۔

مصنف کا بیان ہے کہ یہ تاریخ انھوں نے ۶۵۰ھ/ ۱۲۵۲ء میں شروع کی تھی، لیکن بغداد کی گو
بھاری ذمے داریوں کی وجہ سے جو اُن کے سپرد کی گئی تھیں اسے ۶۵۸ھ/ ۱۲۶۰ء میں ہی مکمل کیا جا
تاریخ جہانگشا کی علما و فضلا نے بہت تعریف و تحسین کی ہے۔ منگول دور کی یہ اولین، طبع زا
تاریخ ہے، کیونکہ مصنف کو بلند منصب حاصل ہونے کی وجہ سے ملک اور رعایا کے متعلق حالات
قابلِ اعتماد وسائل میسر تھے۔ پروفیسر براؤن لکھتے ہیں کہ بہترین محققین اور نقادوں نے تاریخ
کو بہت قابلِ اعتماد اور مستند تاریخ قرار دیا ہے۔ اس کے مستند اور قابلِ اعتماد ہونے کی وجہ
بعد کے مورخوں نے اس کے حوالے دیے ہیں۔

تاریخ جہانگشای جوینی میرزا محمد ابن عبدالوہاب کے زیرِ اہتمام ۱۹۱۲ء میں لندن میں طبع ہوئی۔ ا
دیباچہ فارسی میں میرزا محمد کا ہے اور دوسرا انگریزی میں پروفیسر ای۔ جی براؤن کا ہے۔ اس تاریخ کا
"WORLD CONQUERER" کے نام سے جان اینڈریو بوایل نے انگریزی میں کیا اور یونی
مانچسٹر نے ۱۹۵۸ء میں مانچسٹر سے شائع کیا ہے۔

۲۔ رشید الدین فضل اللہ

قدیم مورخین میں رشید الدین فضل اللہ بن عماد اللہ کو بھی امتیازی حیثیت حاصل ہے، جن کی یادگ
ہے۔ رشید الدین ہمدان میں ۶۴۵ھ/ ۱۲۴۷ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے زمانے کے یہ سربرآوردہ طبیب
حیثیت میں منگول حکمران اباقا خاں (۶۶۳ھ تا ۶۸۰ھ/ ۱۲۶۵ تا ۱۲۸۲ء) پسر ہلاکو خاں نے انھیں اپنے
وہ ان کی ذہانت اور معلومات سے بہت متاثر ہوا اور انھیں شاہی طبیب کا منصب مل گیا۔ انھیں
مقبولیت حاصل ہوئی اور شاہی اعزازات سے نوازے گئے۔ پھر ارغون اور اس کے بعد اس کے
(۶۹۴ تا ۷۰۳ھ) کے عہد میں بھی ان کے اعزاز برقرار رہے۔ غازان کی تخت نشینی کے تین سال بعد

وزیر اعظم کی منصب سے علیحدگی اور قتل کے بعد رشید الدین کو غازان خاں نے ۶۹۷ھ/ ۱۲۹۷ء میں وزارتِ عظمیٰ کا منصب سونپا۔

غازان خاں نے جب شامیوں کے خلاف مہم کا آغاز کیا تو رشید الدین اس کے ہمرکاب تھے۔ عربی سیکرٹری کے فرائض بھی انھوں نے انجام دیے۔ وہ ملکی امور میں گہری دلچسپی لیتے تھے۔ انھی کے مشورے سے دریائے فرات کے کنارے انا کے مقام پر بھی ایک دربارِ شاہی قائم کیا گیا۔

غازان خان نے یہ محسوس کیا تھا کہ منگول اپنی عظمت و شوکت کے باوجود رفتہ رفتہ مقامی باشندوں میں جذب ہو کر رہ جائیں گے، اس لیے اس نے چاہا کہ اس کے آبا کے کارنامے آنے والی نسلوں کے لیے یادگار رہیں، اس لیے اس اہم کام کے لیے اس کی نظر رشید الدین پر پڑی اور ملک کے اہم پبلک ریکارڈ ان کی تحویل میں دے دیے گئے اور جو علما تاریخ اور منگولوں کے عہدِ پارینہ کی یادگاروں میں کامل دستگاہ رکھتے تھے، ان کی خدمات رشید الدین کے سپرد کر دی گئیں۔ انھوں نے "جامع التواریخ" کے نام سے اس عظیم کام کا آغاز ۷۰۰ھ/ ۱۳۰۰ء میں کیا۔ اس وسیع و عریض سلطنت میں ہمہ وقت مصروف رہنے کے باوجود انھوں نے تحقیق جاری رکھی اور اسے ضبطِ تحریر میں لاتے رہے۔ "تاریخ وصاف" میں ذکر آیا ہے کہ "ان کے پاس اس کام کے لیے صرف صبح کی نماز کے بعد طلوعِ آفتاب تک کا ہی وقت ہوتا تھا۔" تاریخ ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ تاریخ کی فرمائش کرنے والا حکمران غازان خان ۷۰۴ھ/ ۱۳۰۴ء میں وفات پا گیا۔ اس کے جانشین اولجایتو خدابندہ نے حکم دیا کہ تاریخ مکمل کر کے غازان خان کے نام معنون کی جائے: چنانچہ غازان خاں کے زمانے تک منگول کی جو تاریخ لکھی گئی، اسے "تاریخ غازانی" بھی کہا جاتا تھا۔ اولجایتو نے مصنف سے یہ بھی فرمائش کی کہ ایک جلد تاریخ عالم پر ہو جو بالخصوص دنیائے اسلام سے متعلق ہو، اور تیسری جلد جغرافیائی حالات پر مشتمل ہو۔ ہمارے علم میں اب جامع التواریخ کی صرف دو ہی جلدیں ہیں۔ جغرافیائی حالات پر مشتمل تیسری جلد یا تو زمانے کی دست برد سے محفوظ نہیں رہ سکی یا وہ ضبطِ تحریر ہی میں نہیں آسکی۔ تاریخ جو ۷۰۰ھ میں شروع ہوئی تھی، ۷۱۰ھ/ ۱۳۱۰ء میں مکمل ہوئی۔ تاریخی حالات سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ اس کے بعد بھی رشید الدین حکمران اولجایتو کے عہد کے حالات لکھنے میں مصروف رہے تھے۔ اولجایتو کے عہد میں بھی مصنف کو وہی بلند منصب حاصل رہا جو غازان خان کے زمانے میں تھا۔

ان کے اعزازات میں کسی قسم کا فرق نہ آیا۔ انھوں نے سلطانیہ میں ایک نیا دار السلطنت تعمیر کرایا جو ان کے نام کی نسبت سے رشیدیہ کہلایا۔ یہاں انھوں نے ایک عظیم الشان مسجد، بیت العلوم، شفاخانہ، فلاح عامہ کی عمارتیں اور کم و بیش ایک ہزار مکان تعمیر کرائے۔ دو سال بعد انھوں نے تبریز میں غازانیہ کے قریب ایک خوب صورت نواحی بستی بنوائی۔ یہاں کی آبادی غازان کے مقبرے کے ارد گرد پھیلتی گئی۔ انھوں نے کثیر مصارف سے چٹانیں کھدوا کر نہروں کے ذریعے سراو رود کو وہاں تک پہنچایا۔[۱۵] عوام کی عقیدت کے لیے کئی بارگاہیں بھی تعمیر کرائی گئیں۔ تعمیری اور فلاحی کاموں کے لیے کثیر رقم درکار تھی جو انھیں شاہی خزانے سے ملتی رہی۔ مصنف کا بیان ہے کہ انھیں فیاض اولجائیتو خدابندہ سے اتنی کثیر رقمیں ملتی رہیں جو اس سے پہلے کسی حکمران نے وزرا کو نہیں دی تھیں۔ تاریخ وصاف کے مصنف عبداللہ بن فضل اللہ شیرازی نے لکھا ہے کہ رشید الدین فضل اللہ کی کتابوں کی خطاطی، جلد سازی، تذہیب کاری اور نقشوں پر ہی ساٹھ ہزار دینار خرچ ہوئے تھے۔

۷۱۲ھ/ ۱۳۱۲ء میں رشید الدین فضل اللہ کا رفیق کار سعد الدین ساوجی اپنے منصب وزارت سے معزول ہوا اور بالآخر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ یہ جو کچھ ہوا ایک شقی القلب شخص علی شاہ کی سازش کا نتیجہ تھا۔ آخر وہ مرحوم کا منصب وزارت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ اس ظالمانہ فعل سے بھی مطمئن نہ تھا۔ اب اس نے خوف ناک سازش رشید الدین کو وزارت عظمیٰ سے ہٹانے کے لیے شروع کی۔ پہلی کوشش میں تو اسے ناکامی ہوئی، رشید الدین بچ گئے۔ پھر ۷۱۵ھ/۱۳۱۵ء میں ان کے اور علی شاہ کے مابین یہ تنازعہ بھی ہوا کہ اولجائیتو نے ایران اور ایشیائے کوچک کے مختلف صوبوں کی افواج کے لیے جو کثیر رقم مقرر کی تھی اس میں جو کمی ہوئی اس کا کون ذمے دار ہے۔ اس واقعہ سے رشید الدین کا کوئی تعلق نہ تھا۔

علی شاہ کی سازشیں رشید الدین کے خلاف اولجائیتو کی وفات اور ابوسعید کی تخت نشینی کے بعد بھی جاری رہیں، بلکہ شدت پکڑ گئیں۔ آخر یہ جھوٹا الزام بھی عاید ہوا کہ اولجائیتو کی عالم جوانی (۷۱۶ھ/۱۳۱۶ء) میں

---

۱۵ G. LE STRANGES: LANDS OF EASTERN CALIPHATE P.P. 162, 163.

وفات زہر دینے سے واقع ہوئی۔ علی شاہ نے اس کا ذمے دار رشید الدین کو ظاہر کیا۔ اس کے حواریوں نے تائید بھی کی۔ اس الزام میں وہ کامیاب ہوگیا اور ۷۱۷ھ/ ۱۳۱۷ء میں رشید الدین وزارت عظمیٰ کے عہدے سے برطرف کر دیے گئے۔ اسی پر بس نہیں ہوئی، انھیں ۱۳۱۸ء میں ستر سال کی عمر میں اور ان کے سولہ سالہ فرزند ابراہیم کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، ان کی جائداد ضبط کر لی گئی، ان کے اقربا سے بُرا سلوک روا رکھا گیا، مقدس عمارات جو انھوں نے بنوائی تھیں، ان کا سامان خرد برد کیا گیا۔ جامع التواریخ کے اس عظیم مورخ او وزیر اعظم کو اس مقبرے میں دفن کیا گیا جو انھوں نے اپنی آخری آرام گاہ کی غرض سے تعمیر کرایا تھا۔ رشید الدین فضل اللہ کی عظیم یادگار "جامع التواریخ" ہے، جس پر بہر حال تشدد کا کوئی ہاتھ نہ بڑھ سکا۔

"جامع التواریخ" کی تصنیف میں بڑی احتیاط اور گہری توجہ سے کام لیا گیا ہے۔ اس کی زبان سادہ اور رواں ہے، وسیع موضوعات پر مشتمل ہے۔ اگرچہ "تاریخ جہانکشا" اس تاریخ سے پہلے لکھی گئی تھی لیکن جہاں تک تاریخ کے وسیع میدان اور تحقیق کا تعلق ہے کہا جا سکتا ہے کہ یہ تاریخ ذاتی کاوش کا نتیجہ ہے۔ تاریخی معلومات اور تحقیق کی رو سے جو قدر و قیمت اس کی ہے، فارسی میں لکھی گئی کوئی تاریخ اس کا ہم پلہ نہیں ہو سکتی۔

رشید الدین اپنی علمی محنت کے ثمرات کی حفاظت کرنے اور انھیں آنے والی نسلوں تک پہنچانے کے لیے بڑی احتیاط اور جد و جہد کرتے تھے۔ اہل علم تک پہنچانے کے لیے جامع التواریخ کی متعدد نقول تیار کرائی گئیں۔ اہل علم کو یہ اجازت بھی دی گئی کہ وہ اپنے استعمال کے لیے چاہیں تو اسے نقل کریں۔ اسے چینی اور عربی میں ترجمہ کرنے کا بھی اہتمام کیا گیا۔ ایسے تراجم کے مسودے مسجد کے کتاب خانے میں، جسے "ربع رشیدی" کا نام دیا گیا تھا، عام استعمال کے لیے رکھے جاتے تھے۔

مصنف نے بعض کتابیں علم طب اور منگول طرز حکومت پر بھی تصنیف کیں اور انھیں بھی عربی اور چینی زبان میں ترجمہ کرانے کا انتظام کیا گیا۔ کتابیں نہایت عمدہ بغدادی کاغذ پر لکھائی جاتی تھیں، یہ بھی اہتمام کیا گیا تھا کہ کتابت میں فن کی پختگی اور صفائی ہو اور ہر شخص اسے آسانی سے پڑھ سکے۔ چنانچہ اس کے لیے ملک بھر سے فن خطاطی کے ماہرین منتخب کیے گئے تھے۔ ہر جلد جس کی کتابت ہو جاتی تھی، اس کی عمدہ جلد سازی اور تذہیب کاری کا انتظام ہوتا تھا اور اسے "ربع رشیدیہ" میں رکھا دیا جاتا تھا۔ اس عظیم تاریخ کے مندرجات کی فہرست درج ذیل ہے:

جلد اوّل، باب اوّل : ترکوں اور منگولوں کے مختلف قبائل، قبائل کی تقسیم، ان کے حسب نسب کی تفصیل وغیرہ ۔ یہ حالات ایک دیباچے اور چار فصلوں میں درج ہیں۔

جلد اوّل، باب دوم : چنگیز خاں کے اسلاف اور اس کے جانشینوں کی تاریخ، غازان خاں کے زمانے تک۔

جلد دوم : ابتدائیہ، حضرت آدمؑ اور پیغمبرانِ قدیم کے حالات۔

جلد دوم، باب اوّل : زمانۂ قبل از اسلام کے بادشاہوں کے حالات چار فصلوں میں ۔

باب دوم میں آنحضرت کے سوانح کے بعد خلفائے راشدین، بنوامیہ، خلافتِ عباسیہ کے حالات بیان ہوئے ہیں۔ ان کے بعد ایران کے شاہانِ اسلام، سلاطینِ غزنہ، سلاجقہ، خوارزم شاہان، سلغریان، اتابکان، فرقہ اسمٰعیلیہ کے حالات تفصیل سے بتائے ہیں۔ بعد میں ترکوں، چینیوں، یہودیوں، فرنگیوں، فرنگی حکمرانوں، اہلِ ہند، بدھ اور بدھ مذہب کے مفصل حالات زیرِ بحث آتے ہیں۔

جامع التواریخ ۱۹۶۵ء میں اکیڈمی آف جمہوری شوروی نے نستعلیق جلی حروف میں طبع کی۔ اس میں روسی زبان میں جابجا نوٹ بھی درج ہیں اسے AA RAUMAS KUACH° L.A اور علی نادہ نے ایڈٹ کیا ہے۔ KHATA QORUF

"جامع التواریخ" کے علاوہ درج ذیل کتابیں بھی رشید الدین فضل اللہ کی یادگار ہیں :

(۱) کتاب الاحیار والآثار (۲) توضیحات (۳) مفتاح التفسیر (۴) الرسالۃ السلطانیہ (۵) لطائف الحقائق (۶) بیان الحقائق۔

۳۔ ناصرالدین البیضاوی

قدیم مورخین عطا ملک جوینی اور رشید الدین فضل اللہ کے بعد زمانی ترتیب سے تیسرے مورخ ناصرالدین ابوسعید اعماد الدین ابوالقاسم عمر ہیں جو "نظام التواریخ" کے مصنف ہیں۔ ناصرالدین شیراز کے قریب شہر بیضا میں پیدا ہوئے ۔ شہرِ ولادت کی نسبت سے وہ بیضاوی مشہور ہوئے۔ مصنف کے والد جیساکہ انھوں نے خود لکھا، اتابک ابوبکر سعد زنگی کے عہدِ حکومت میں صوبہ فارس کے قاضی القضاۃ تھے۔ بیضاوی نے قرآن مجید کی تفسیر بھی "انوار التنزیل و اسرار التاویل" کے نام سے لکھی، جس کی بدولت وہ مشرق و مغرب میں متعارف ہوئے۔ بیضاوی شہر شیراز کے قاضی بھی رہے تھے۔ زندگی کے آخری ایام تبریز میں بسر ہوئے، وہیں وفات پائی۔

" وافی بالوفایات" میں ان کی وفات ۶۸۵ھ / ۱۲۸۶ء میں بتائی گئی ہے۔ لیکن " الیافعی" میں ان کا سال وفات ۶۹۲ھ/ ۱۲۹۳ء لکھا ہے لیکن یہ دونوں تاریخیں درست معلوم نہیں ہوتیں کیونکہ بیضاوی نے غازان خاں کے بھی حالات لکھے ہیں ، جو ۶۹۴ھ / ۱۲۹۴ء میں تخت نشین ہوا تھا۔ حمداللہ مستوفی مصنف " تاریخ گزیدہ" نے " نظام التواریخ " کو اپنی کتاب کے سلسلے میں اپنا ایک ماخذ بتایا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ بیضاوی کا انتقال ۷۱۰ھ/ ۱۳۱۰ء میں ہوا اور براؤن نے ان کا سال وفات ۷۱۶ھ/ ۱۳۱۶ء بتایا ہے[۱۲] یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان مؤخر دو تاریخوں میں سے کوئی تاریخ درست ہو سکتی ہے۔

بیضاوی نے " نظام التواریخ " کے دیباچے میں لکھا ہے کہ شروع سالوں میں علوم کی ہر شاخ پر کتابیں تصنیف کرنے کے بعد ان کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ حضرت آدم سے لے کر خود اپنے عرصۂ حیات تک مبسوط تاریخ لکھیں۔ آخر یہ خواہش بھی ان کی پوری ہو گئی۔

نظام التواریخ چار ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر باب کو انھوں نے فصل لکھا ہے۔ فصل اول میں پیغمبران کبار حضرت آدم ، حضرت نوح علیہ السلام اور بادشاہوں کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔ دوسری فصل میں ایران کے پیشدادی ، کیانی ، اشکانی اور ساسانی بادشاہوں کے حالات درج ہیں تیسری فصل میں خلفائے راشدین بنو امیہ اور بنو عباس کے مفصل حالات لکھے ہیں۔ چوتھی فصل میں خلفائے عباسیہ کے معاصر حکمرانوں یعنی صفاریہ ، سامانیہ ، غزنویہ ، غوریہ ، دیالمہ ، سلاجقہ ، سلغریان ، فرقۂ اسمٰعیلیہ ، خوارزم شاہان اور منگول حکمرانوں کے حالات تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ نظام التواریخ کی تکمیل ۶۸۰ - ۶۸۳ میں ہوئی۔

۴ - عبداللہ بن فضل اللہ شیرازی

ایران کے مورخین قدیم میں عبداللہ بن فضل اللہ کو بھی امتیازی حیثیت حاصل ہوئی جو تجزیۃ الامصار و تزجیۃ الاعصار کے مصنف ہیں۔ یہ کتاب تاریخ وصاف کے نام سے مشہور ہے۔ مصنف کے والد عزالدین فضل اللہ شیراز کے رہنے والے تھے۔ مصنف عبداللہ بن فضل اللہ اولجایتو کے عہد حکومت میں افسر مالیات مقرر ہوئے تھے۔ اولجایتو کے وزیر اعظم اور عظیم مورخ رشیدالدین فضل اللہ کی سرپرستی انھیں حاصل

---

۱۲ supplement 1, vol 1, p 731.

رہی۔ ان کے بعد ان کے بیٹے وزیر اعظم غیاث الدین نے ان کی سرپرستی کی۔ رشید الدین کے توسط سے وہ شہر سلطانیہ میں ۷۱۲ھ/ ۱۳۱۲ء میں اولجایتو کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس موقع پر عبداللہ نے اپنی کتاب "تجزیۃ الامصار و تزجیۃ الآثار" بادشاہ کے حضور پیش کی۔ انھیں کتاب پڑھنے کا حکم ہوا۔ عبداللہ نے چند پیرے پڑھے لیکن وہ اولجایتو کے فہم سے بالاتر تھے، اس لیے رشید الدین کو مصنف کا مفہوم آسان زبان میں واضح کرنا پڑا۔ بہرحال اولجایتو نے انھیں انعام و اکرام اور "وصاف حضرت" کے خطاب سے نوازا۔ چنانچہ اسی خطاب کی نسبت سے انھوں نے اپنی کتاب کا نام "تاریخ وصاف" رکھا۔

تاریخ وصاف ایک اہم عہد کی جامع اور مستند تاریخ ہے، لیکن اس کی قدر و قیمت محض اس لیے کم ہوئی کہ اس کے موضوعات کی ترتیب میں باقاعدگی نہیں، عبارت میں تصنع اور انداز بیان دقیق ہے۔ بہرحال ہمارے ہاں اب بھی یہ تدریس فارسی کے نصاب میں شامل ہے۔ تاریخ وصاف پانچ جلدوں میں ہے اور ان کے موضوعات حسب ذیل ہیں:

جلد اوّل میں غازان کے نام انتساب، منگو قاآن کی وفات ۶۵۸ھ/ ۱۲۵۹ء تک کے حالات، قبلا خاں اور تیمور قاآن اور ان کے جانشین، ہلاکو خاں کی فتوحات، اباقا خان اور سلاطین مصر، منگول حکمران احمد تکودار کی تخت نشینی، ارغون سے اس کا تصادم اور ارغون کے عہد حکومت کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔

جلد دوم: سلغریان، اتابکان فارس، اتابکان لرستان، افراسیاب کا عہد حکومت۔

جلد سوم: منگول حکمران گنجاتو اور بائیدو کا عہد حکومت، کرمان کے سلاطین، ہندوستان کا توصیفی بیان، سلاطین دہلی، غازان خان اور اس کے عہد کی تاریخ، شام میں اس کی مہم (۷۰۰ھ/ ۱۳۰۰ء) تک کے حالات تفصیل سے بیان کیے ہیں۔

جلد چہارم: غازان کا بقیہ زمانہ حکومت، اولجایتو کی تخت نشینی، تیمور قاآن اور اس کے جانشین ۷۱۱ھ/ ۱۳۱۱ء تک۔ اسی باب میں علاء الدین سلطان دہلی اور سلاطین مصر کے حالات بھی شامل کیے ہیں تعلیقہ میں تاریخ جہانگشا کے بعض اقتباسات اور چنگیز خاں سے قلعہ الموت کی تسخیر تک کے حالات شامل ہیں۔

جلد پنجم: اولجایتو کے جانشین، جوجی، چغتائی اور ابو سعید کی تخت نشینی کے حالات بالتفصیل لکھے ہیں

تاریخِ وصاف کا لیتھوگراف ایڈیشن بمبئی ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۳ء میں طبع ہوا تھا۔

۵۔ حمداللہ مستوفی

مذکورہ مؤرخین کے ایک معاصر حمداللہ مستوفی ہیں، جن کی یادگار "تاریخ گزیدہ" ہے۔ حمداللہ کو زبان کی سادگی اور اندازِ بیان کی صفائی کے اعتبار سے رشید الدین فضل اللہ کا پیرو کہیں تو بجا ہوگا۔ ان کی زندگی کے متعلق کچھ زیادہ معلومات میسر نہیں، لیکن جو کچھ انھوں نے "تاریخ گزیدہ" میں لکھا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ نسلاً عرب تھے۔ عرب سے آکر ان کے آباد اجداد نے قزوین میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان کے پردادا امین الدین نصر عراق کے مستوفی تھے جو منگولوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ حمداللہ کے بھائی زین الدین محمد کو غازان خاں کے عہدِ حکومت میں رشید الدین فضل اللہ وزیر اعظم کی سرپرستی حاصل رہی۔ حمداللہ ۷۱۱ھ/ ۱۳۱۱ء میں قزوین اور بعض دوسرے اضلاع کے مالیات کے محکمے کے مستوفی مقرر ہوئے۔ اسی وجہ سے وہ مستوفی کہلاتے تھے۔ حمداللہ نے "تاریخ گزیدہ" کے علاوہ "شاہنامہ فردوسی" کے انداز میں منظوم تاریخ "ظفرنامہ" کے نام سے لکھی۔ ایک جغرافیائی تصنیف "نزہت القلوب" بھی ان کی یادگار ہے۔

تاریخ گزیدہ کا سنِ تصنیف ۷۳۰ھ/ ۱۳۳۰ء ہے، جسے انھوں نے رشید الدین فضل اللہ کے بیٹے غیاث الدین محمد کے نام معنون کیا جو ۷۲۹ھ/۱۳۲۸ء میں وزارتِ عظمٰی کے منصب پر فائز ہوا تھا۔

مصنف نے لکھا ہے کہ یہ کتاب لکھتے ہوئے ان کے پیشِ نظر تیئیس کتابیں تھیں جن میں تاریخِ جہانگشائی جوینی، جامع التواریخ اور نظام التواریخ شامل تھیں۔

تاریخ گزیدہ ایک دیباچے اور چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر باب چند فصلوں میں منقسم ہے۔ آخر میں اختتامیہ ہے۔

دیباچے میں جسے حمداللہ نے فاتحہ کا عنوان دیا ہے، آفرینشِ کائنات اور تنظیم موجودات کا ذکر ہے۔

باب اول کی دو فصلیں ہیں۔ پہلی فصل میں انبیائے قبل از اسلام کے حالات ہیں اور دوسری فصل میں ان حکمائے متقدم کا ذکر ہے جو مقصودِ آفرینش کے اسرار سے آگاہ تھے۔

باب دوم شاہانِ قبل از اسلام پر ہے۔ اس کی مندرجہ ذیل چار فصلیں ہیں۔

پہلی فصل میں پیش دادی بادشاہوں کے حالات بیان ہوئے ہیں، جو تعداد میں گیارہ ہیں اور ان کا عرصۂ

حکومت دو ہزار چار سو برس ہے۔ دوسری فصل میں دس کیانی بادشاہوں کے حالات ہیں جن کا عرصۂ حکومت سات سو چونتیس برس ہے۔ تیسری فصل بائیس اشکانی بادشاہوں سے متعلق ہے، جنھیں مصنف نے "ملوک الطوائف" کا نام دیا ہے۔ ان کا زمانۂ حکومت تین سو اٹھارہ برس ہے۔ چوتھی فصل میں اکتیس ساسانی بادشاہوں کے مفصل حالات بیان ہوئے ہیں جن کی مدت حکومت پانچ سو ستائیس برس ہے۔

باب سوم چھ فصلوں پر مشتمل ہے۔ شروع میں ابتدائیہ ہے جس میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب اور اسلاف کے حالات بیان ہوئے ہیں۔ فصل اول آنحضرت کے حالاتِ زندگی پر مشتمل ہے۔ فصل دوم میں خلفائے راشدین، فصل سوم میں تابعین، فصل چہارم میں بعض صحابہ کرام، فصل پنجم میں بنو امیہ اور فصل ششم میں خلفائے بنو عباس کے مفصل حالات درج ہیں۔

باب چہارم میں مسلمان بادشاہوں کے خاندانوں کے حالات بارہ فصلوں میں بیان کیے گئے ہیں، جن کی ترتیب یہ ہے: (۱) صفاریہ (۲) سامانیہ (۳) غزنویہ (۴) غوریہ (۵) دیالمہ یا آل بویہ (۶) سلاجقہ (۷) خوارزم شاہان (۸) اتابکان شام (۹) اتابکان فارس (۱۰) کرمان کے ختائی حکمران (۱۱) اتابکان لرستان (۱۲) چنگیز خاں، اس کے جانشیں اور ایلخانی حکمران۔

باب پنجم: مشہور زہاد اور اولیائے کرام کے حالات چھ فصلوں میں۔

باب ششم: مصنف کے شہر قزوین کے حالات۔

اختتامیہ: شجرات، رشید الدین فضل اللہ کی جامع التواریخ کے مطابق۔

۶۔ محمد بن علی بن محمد شبانکارہ ای

منگول دور کے آخری اہم مؤرخ محمد بن علی بن محمد ہیں جو "مجمع الانساب" کے مصنف ہیں۔ ان کا وطن شبانکارہ ہے جو فارس اور کرمان کے مابین ایک ضلع ہے۔ مصنف کو کچھ عرصہ لرستان میں بھی رہنے کا اتفاق ہوا، جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں کہ اس علاقے کے حالات ضبط تحریر میں لاتے ہوئے ان کے پیش نظر کوئی ماخذ نہ تھے۔ یہاں کے حالات بعض قابلِ اعتماد ذرائع سے اور بعض معتمد حضرات سے زبانی حاصل ہوئے۔

محمد بن علی مؤرخ ہونے کے ساتھ شاعر بھی تھے۔ انھوں نے غیاث الدین محمد کے متعدد قصیدے کہے جو رشید الدین فضل اللہ کا بیٹا اور منگول حکمران ابو سعید کا وزیر اعظم تھا۔ غیاث الدین محمد ہی کے نام انھوں نے تاریخ

مجمع الانساب معنون کی۔

مجمع الانساب قدیم الایام سے سلطان ابوسعید کی وفات (۷۳۶ھ/ ۱۳۳۵ء) تک کے حالات پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں دو دیباچے ہیں۔ ممکن ہے ایک دیباچہ تاریخ کے مسودۂ اوّل کا ہو اور دوسرا مسودۂ دوم کا۔ پہلے دیباچے میں ابوسعید کی مدح نظم و نثر میں کی ہے۔ دوسرے دیباچے میں ابوسعید کی وفات کی خبر ملنے پر غم و الم کا اظہار کیا گیا ہے اور پھر رشید الدین فضل اللہ کے گھر میں لوٹ مار ہونے سے مجمع الانساب کا جو مسودہ ضائع ہوا تھا اس پر اظہار تاسف ہوا ہے۔ بہرحال انھوں نے ازسرِنو یہ تاریخ لکھنے کا تہیہ کیا جو بالآخر ۷۴۳ھ/ ۱۳۴۲ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

مجمع الانساب چند حصوں میں منقسم ہے، جن کے عنوان قسم، طبقہ، گروہ اور طائفہ ہیں۔ موضوعات کی فہرست درج ذیل ہے:

ابتدائیہ، آفرینشِ کائنات، اربعہ عناصر اور جسم انسانی کی تخلیق، احوال موجودات، ہفت اقلیم اور نوعِ انسان کی بڑی بڑی نسلیں۔

قسم اوّل، آدم علیہ السلام کے حالات۔

قسم دوم، طبقۂ اوّل چار حصوں میں: (۱) شیث، کیومرث، عاد، فریدوں اور کیانی خاندان کے حالات۔

طبقۂ دوم چار حصوں میں: طائفۂ اوّل یعنی حصۂ اوّل، سکندرِ اعظم کے جانشین، بطلیموس، قیصر، عراق یمن کے شاہان عرب، پیشدادی، کیانی اور اشکانی خاندان۔ طائفۂ دوم، ساسانی اور اکاسرہ، طائفۂ سوم دیالمہ، سلاجقہ، ملاحدہ، خوارزم شاہان، خاندانِ غوریہ۔ طائفۂ چہارم، سلاطین شبانکارہ، اتابکان شیراز و کرمان، شاہان ہرمز۔ احوال منگول دو حصوں میں۔ طائفۂ اوّل: چنگیز خاں اور اس کے جانشین چین میں قبلائی خاں تک، طائفۂ دوم: ہلاکو خاں اور اس کے جانشین میں ابوسعید کی وفات تک کے احوال تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔

الفہرست

محمد بن اسحاق ابن ندیم وراق ——— اردو ترجمہ ——— محمد اسحاق بھٹی

یہ کتاب چوتھی صدی ہجری تک کے علوم و فنون، سیر و رجال اور کتب و مصنفین کی مستند تاریخ ہے۔ اس میں یہود و نصاریٰ کی کتابوں، قرآن مجید، نزولِ قرآن، جمع قرآن اور قرائے کرام، فصاحت و بلاغت، ادب و انشا اور اس کے مختلف مکاتب فکر، حدیث و فقہ اور اس کے تمام مدارس فکر، علم نحو، منطق و فلسفہ، ریاضی و حساب، سحر و شعبدہ بازی، طب اور صنعت کیمیا وغیرہ تمام علوم، ان کے علما و ماہرین اور اس سلسلے کی تصنیفات کے بارے میں اہم تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں واضح کیا گیا ہے کہ یہ علوم کب اور کیونکر عالمِ وجود میں آئے۔ پھر ہندوستان اور چین وغیرہ میں اس وقت جو مذاہب رائج تھے، ان کی وضاحت کی گئی ہے۔ نیز بتایا گیا ہے کہ اس دور میں دنیا کے کس کس خطے میں کیا کیا زبانیں رائج اور بولی جاتی تھیں اور ان کی تحریر و کتابت کے کیا اسلوب تھے؟ ان کی ابتدا کس طرح ہوئی اور وہ ترقی و ارتقا کی کن کن منازل سے گزریں۔ ان زبانوں کی کتابت کے نمونے بھی دیے گئے ہیں۔

ترجمہ اصل عربی کتاب کے کئی مطبوعہ نسخے سامنے رکھ کر کیا گیا ہے اور جگہ جگہ ضروری حواشی بھی دیے گئے ہیں جس سے کتاب کی افادیت بہت بڑھ گئی ہے۔

صفحات ۹۴۶ مع اشاریہ قیمت ۴۵ روپیہ

ملنے کا پتا: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور